



# اعترافات

## (حصہ دوم)

### مفتی منیب الرحمن

اعترافات کے عنوان سے گزشتہ کالم میں ہم نے موجودہ حالات کے تناظر میں گفتگو کی تھی۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اپنے قارئین کو آگہی دی جائے کہ اسلام کس طرح کی انسانی شخصیت کی تشکیل چاہتا ہے۔ یہ تو طے ہے کہ تاریخ انسانیت میں عہد رسالت مآب ﷺ و عہد صحابہ سمیت کوئی بھی انسانی معاشرہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں سرے سے کسی جرم کا ارتکاب ہی نہ ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن و سنت اور شریعت میں حدود و تعزیرات کے احکام اور نظام عدل کی نوبت ہی نہ آتی۔ انسانیت کو جرم و گناہ سے واسطہ پڑتا رہے گا، مختلف ادوار اور اخلاقی و تربیتی ماحول میں اس کا گراف کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ آج کی دنیا میں بھی جرائم کی روک تھام کے لیے تعزیری قوانین اور عدالتیں ہر ملک میں قائم ہیں۔ الغرض اس پر انسانیت کا اجماع ہے کہ وعظ و تذکیر، معاشرتی دباؤ اور اصلاحی تحریکات اصلاح معاشرہ کے لیے ایک حد تک تو مفید ثابت ہو سکتی ہیں، لیکن ان کے ذریعے معاشرے کی جرائم سے سو فیصد تطہیر عملاً ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرائض نبوت بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ایک فریضہ ”تذکیر نفس“ قرار دیا ہے۔ یعنی تعلیم و تربیت، وعظ و تذکیر اور صحبت صالح کی برکات کے ذریعے ظاہر کے ساتھ ساتھ لوگوں کے قلوب و اذہان کا تذکیر کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی صورت میں ایسا ہی پاکیزہ معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ صحابہ کرام خطا اور گناہ سے معصوم تھے، کیونکہ یہ نبوت کا خاصہ ہے، لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور صحبت کی برکت سے اُن کے قلوب و اذہان اور باطن اتنا پاکیزہ ہو چکا تھا کہ اگر کسی وقت بشری کمزوری کے تحت اُن سے گناہ سرزد ہو جاتا، تو جب تک اس کا ازالہ نہ کرتے، انہیں چین نہ آتا۔ آج ہم جس صورت حال سے دوچار ہیں، اس میں صرف عدالت و قانون اور سزا کا خوف ہی کسی حد تک انسان کو ارتکاب جرم سے روکے رکھتا ہے یا اگر معاشرے میں خیر غالب ہے تو معاشرتی دباؤ بھی انسان کو اپنی عزت نفس کی حفاظت کے لیے کسی حد تک برائی سے روکے رکھتا ہے، لیکن مکمل اصلاح ممکن نہیں ہوتی۔ اسلام میں خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی کا تصور ہی وہ نسخہ کیما ہے جو انسان کو جرم اور گناہ کی طرف بڑھنے سے روکتا ہے۔

بعض اوقات انسانی معاشرے پر شر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ لوگ برائی کے اظہار میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ اور بندوں سے کوئی حیا یا حجاب محسوس نہیں ہوتا۔ قوم لوط کی اسی کیفیت کو قرآن نے بیان فرمایا ہے: ”کیا تم مردوں سے بد فعلی کرتے ہو اور راہ زنی کرتے ہو اور اپنی مجلس میں (علائیہ) برا کام کرتے ہو، تو اُن کی قوم کا جواب صرف یہ تھا: ”ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو، (العنکبوت: 29)۔“ یعنی آخرت کی جزا و سزا پر عدم یقین انسان کو بے حیائی اور فحش و فجور کی اُس انتہا تک لے جاتا ہے کہ جرم عیب

کی بجائے افتخار بن جاتا ہے۔ آج ہم تقریباً اسی طرح کے دور سے گزر رہے ہیں کہ جرم عیب نہیں رہا اور مجرم اپنے آپ کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتا، پروفیسر حفیظ تائب نے کہا تھا:

سچ میرے دور میں جرم ہے، عیب ہے، جھوٹ فنِ عظیم، آج لاریب ہے  
ایک اعزاز ہے جہل وبے رہ روی، ایک آزار ہے آگہی یابی  
دشمن جاں ہوا میرا اپنا لہو، میرے اندر عذو، میرے باہر عذو  
ماجرائے تحیر ہے پرسیدنی، صورتِ حال ہے دیدنی، یابی

جس طرح صاف و شفاف اور سفید کپڑے پر کوئی داغ لگ جائے، تو نفیس طبع انسان بے قرار رہتا ہے کہ لوگوں کی نظر اس داغ پر پڑے گی، لیکن اگر کوئی موٹر مکینک ہے یا پینٹنگ کا کام کر رہا ہے اور اس کے لباس پر سوداغ پہلے سے لگے ہوئے ہیں، اگر دس داغ اور بھی لگ جائیں، تو اُسے بالکل کوئی بے چینی محسوس نہیں ہوتی۔ یہی صورتِ حال گناہوں کی آلودگی کی ہے کہ اگر دامنِ ایمان و عمل پہلے ہی سے داغ دار ہے، تو کسی تازہ گناہ کا داغ اُسے بے چین نہیں کرتا، لیکن اگر اُس کی لوحِ قلب و ذہن پاکیزہ ہے اور گناہ کا کوئی داغ لگ جائے، تو وہ بے قرار ہو جاتا ہے تا وقتیکہ توبہ کر کے اور شریعت کے مطابق اس کا ازالہ کر کے اپنے قلب کو پاک نہ کر لے۔ لیکن یہ اُس صورت میں ہوتا ہے کہ ضمیر زندہ ہو اور اُس کے اندر قدرت نے خیر و شر میں تمیزی جو صلاحیت رکھی ہے، وہ بدستور کام کر رہی ہو ورنہ اُس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ حدیثِ پاک میں ہے:

(۱) ”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہاری نیکی سے تمہیں سُور نصیب ہو اور تمہارا گناہ تمہیں برا لگے، تو تم مومن ہو، صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! گناہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کسی چیز سے تمہارے دل میں گھٹن محسوس ہو، تو اُسے چھوڑ دو، (مسند احمد: 22166)۔ (۲) ”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمہیں یہ بات ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کا پتا چل جائے، (سنن ترمذی: 2389)۔“

ان احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نفسِ لواۓ یعنی ضمیر خیر و شر کے لیے کوئی ہے، ٹیسٹنگ مشین ہے اور کوئی بھی ٹیسٹنگ مشین اُسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب وہ قابلِ کار ہو اور اگر مشین ناکارہ ہو جائے تو وہ صحیح نتیجہ نہیں دیتی، اسی طرح ضمیر مر جائے یا گناہوں سے آلودہ ہو جائے، تو اُس کی صلاحیت معطل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کسی ناکارہ ٹیسٹنگ مشین کو دوبارہ قابلِ کار بنانے کے لیے اُسے Overhaul کیا جاتا ہے، ناقص پرزوں کو بدل دیا جاتا ہے اور پوری مشین کی سروس کر کے اُسے دوبارہ قابلِ کار بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح ضمیر کی مُردنی کو حیاتِ نو عطا کرنے اور اُسے دوبارہ قابلِ کار بنانے کے لیے توبہ کے مرحلے سے گزرنا ہوتا ہے، جس کے چھ مراحل ہیں: (الف) ماضی کے گناہوں کا اعتراف، (ب) اُن پر اللہ تعالیٰ کے حضورِ ندامت، (ج) اللہ تعالیٰ سے اُن پر معافی طلب کرنا، (د) شریعت میں بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ان کی تلافی کرنا، (ه) آئندہ اُن سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پیمان و فاباندہنا، (و) اور اس پیمان و فاباندہ پر ثابت قدم رہنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیقِ خیر طلب کرنا۔ اسی کو تَنْبُؤُ النُّصُوح کہتے ہیں اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (۱) ”گناہوں سے (سچی) توبہ کرنے والا (گناہوں کی میل سے) ایسا پاک ہو جاتا ہے، جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہ ہو، (سنن ابن ماجہ: 4250)۔“ (۲) ”اگر کسی کا اونٹ صحرا میں (ساز و سامان سمیت) گم ہو جائے، (وہ تلاشِ بسیار کے باوجود اُس کو پانے سے بالکل ناامید ہو جائے) اور پھر اچانک وہ اونٹ (ساز و سامان سمیت) اُسے مل جائے تو ایسے عالم میں اُس شخص کو جتنی خوشی نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا (بھیک بھوکا) بندہ جب توبہ کر کے اُس کی طرف واپس پلٹ آتا ہے، تو اُسے اُس شخص کے مقابلے میں



بدرجہ زیادہ خوشی ہوتی ہے، (صحیح البخاری: ۶۳۰۹)۔ اسی بامعنی توبہ کا نام ”تزکیہ قلب“ اور ”تطہیر نفس“ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک مومن جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے، تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے، سو اگر وہ توبہ واستغفار کر لے تو اس کا دل پاک و صاف ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ (بروقت توبہ نہ کرے بلکہ) بدستور گناہ کیے جاتا رہے یہاں تک کہ گناہوں کی تاریکی اُس کے پورے دل پر چھا جائے، تو یہی وہ ”زین“ ہے، جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ”ہرگز نہیں! بلکہ اُن کے کرتوتوں نے اُن کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، (المطففين: 14)۔“

مقبول توبہ کی تعریف قرآن نے یہ کی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن (گناہ گار بندوں کی) توبہ کو قبول کرنا اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے، جو نادانی میں گناہ کر بیٹھیں، پھر (جرم کا احساس ہوتے ہی) جلد توبہ کر لیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے، (النساء: 17)۔“ اس کے برعکس ناقابل قبول توبہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”اور اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے، جو (مسلل) گناہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہو، تو وہ کہے: میں نے اب توبہ کی اور نہ ہی اُن لوگوں کی توبہ قبول ہے جن کی موت کفر کی حالت میں واقع ہو، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، (النساء: 18)۔“ اسی مفہوم کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”بے شک اللہ بندے کی توبہ (اُس وقت تک) قبول فرماتا ہے، جب تک کہ اُس پر سکرانہ موت طاری نہ ہو جائے، (سنن ابن ماجہ: 4253)۔“

مقبول توبہ کی معراج اللہ تعالیٰ نے ان کلمات میں بیان فرمائی ہے: ”اور (رحمن کے پسندیدہ بندے) وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے (بے قصور) انسان کو قتل کرتے ہیں، جس کے ناحق قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا، وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا، قیامت کے دن اُسے دُگنا عذاب دیا جائے گا اور وہ اُس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ مبتلا رہے گا، سو اُس کے جس نے (جہی) توبہ کر لی اور ایمان لایا اور (اس کے بعد) نیک عمل کرتا رہا، تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے، (الفرقان: 68-70)۔“ اس پر بھی علماء نے بحث کی ہے کہ اگر کسی پر گناہ کی پاداش میں قانون شریعت کے مطابق حد نافذ ہو جائے، تو کیا وہ آخرت کی جواب دہی سے بچ جائے گا؟ اس کے بارے میں علمائے احناف کا موقف یہ ہے کہ اگر دنیا میں سزا پانے سے قبل اُس نے اللہ تعالیٰ کے حضور جہی توبہ کر لی ہے، تو وہ آخرت کے مواخذے سے بچ جائے گا، ورنہ اگر اُس نے اپنے جرم کو جرم مانا ہی نہیں، تو دنیاوی سزا پانے کے بعد بھی آخرت کے مواخذے سے نہیں بچ سکے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور اعتراف گناہ، احساسِ ندامت اور توبہ اخروی مواخذے سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔ مفسدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”سو اُن کے جو تمہارے اُن پر قابو پانے سے پہلے توبہ کر لیں، (المائدہ: 34)۔“ حدیث پاک میں ہے: ”جس شخص نے ان جرائم (شرک، زنا، چوری، قتل ناحق) کا ارتکاب کیا ہو اور اُسے دنیا میں سزا دے دی جائے، تو وہ اُس کے لیے کفارہ ہے، (مسلم: 1709)۔“ مُسلمہ فقہائے احناف علامہ ابوبکر جصاص، علامہ آلوسی، علامہ ابن نجیم، علامہ ابن ہمام، علامہ خوارزمی، علامہ زبیلی، علامہ شرنبلالی، علامہ ابوسعود، علامہ حصکفی، علامہ شامی اور علامہ نظام الدین نے لکھا ہے کہ محض دنیاوی سزا سے توبہ کے بغیر حدود کا مرتکب آخرت کے مواخذے سے نہیں بچ سکتا، لیکن علامہ غلام رسول سعیدی نے باحوالہ لکھا ہے: ”علامہ محمود الحسن دیوبندی، علامہ سید انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد تقی عثمانی نے فقہائے احناف کے اس مسئلہ موقف کے خلاف لکھا ہے، حیرت کا مقام ہے!“۔